Al-Qalam القلم
p-ISSN: 2071-8683, e-ISSN: 2707-0077
Volume:27, Issue:2, 2022, pp. 301-326

موانع تکفیر اور فقہاے اہل سنت: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Criteria of Takfir in Sunni Legal Discourse: An Analytical Study of Obstacles to and Conditions of Takfir

Mubasher Hussain
Associate Professor, Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab

KEYWORDS
Takfir, apostate or unbeliever, sensitive issue, theological discourse, Prophet Muhammad, fundamental principle of Islam

Date of Publication: 26-12-2022

ABSTRACT
Takfir—to declare a Muslim a kafir or murtadd i.e., an apostate or unbeliever—is considered as a highly sensitive issue in the Islamic legal and theological discourse for its dangerous consequences and, therefore, the Prophet Muhammad (peace be on him) warned of accusing a fellow Muslim of kufr (i.e. denial/disbelief or apostasy). The last few decades have surprisingly witnessed an increase in trends of takfir across the globe. The mainstream sunni jurists are of the view that a Muslim becomes an unbeliever/apostate if he denies—verbally or by an action—a fundamental principle of Islamic belief, but they have also identified certain obstacles and conditions necessary to be observed before declaring a Muslim fellow a kafir (apostate or a non-Muslim). This paper attempts to elaborate the said conditions of and obstacles to takfir, relying upon the sunni fiqh genre. The conclusion reached by the author is that takfir has nothing to do with a Muslim when one of the following four major obstacles to takfir is present: ikrah (fear of death), khata (a genuine mistake without intention), jahl (lack of knowledge or unawareness) and tawil (an interpretation, whether or not literal, analogical, allegorical/esoteric, symbolic or mystical, of the divine text, which may sometimes lead to an unpopular or the least possible conclusion).

تمہید

"تکفیر" کا موضوع نہایت حساس ہے اور اس میں افرط و تفریط کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں بے شمار فتنوں نے جنم لیا ہے اور افسوس کہ اب بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ ہمارے ہاں ایک طرف مادہ پرستی اور نفاق کا مرض بہت بڑھ گیا ہے اور رد عمل کے طور پر دوسری طرف 'تکفیری ذہنیت' اور 'کافر گری' کا عنصر بھی زوروں پر ہے۔ ایک طرف مادی مقاصد کے لیے دین استعمال کرنا معمولی بات سمجھی جانے لگی ہے اور دوسری طرف عام فقہی واجتہادی مسائل میں توسع کے باوجود اپنے سے مختلف رائے رکھنے والے پر تکفیر کے فتوے لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ فتنہ تکفیر کے پھیلاو کی بڑی وجہ کم علمی اور جہالت ہے اور اسی وجہ سے ہمارے ہاں مذہبی و مسلکی انتہا پسندی بڑھتی جارہی ہے۔ ان مسلکی حدبندیوں میں ایک فریق کا اپنے آپ کو جنتی اور دوسروں کو گمراہ سمجھنے کا مزاج بڑھتا جارہاہے، حتی کہ جو چیز ایک فقہی مسلک میں جائز نہیں، اسے دوسرے فقہی مسلک کے مطابق جائز سمجھنے والے شخص کو بعض لوگ "کفر اکبر" کا مرتکب گردانتے ہیں۔ اسی طرح اپنے ہم مسلکوں کو خوش کرنے اور اپنے ساتھ مذہبی تعلق کو گہرا کرنے کے لیے ہر فریق نے کچھ امتیازات قائم کر رکھے ہیں۔ اب اگر کوئی مسلمان ان امتیازات کے ساتھ نہیں پہچانا جاتا، تو اسے بعض اوقات دائرہ اسلام کے اندر دیکھنے کی بجائے باہر دیکھا جاتا ہے، یہ سوچے بغیر کہ اس سلسلہ میں اجتہادی اختلاف ہے۔ اسی طرح یہ بھی کم علمی اور جہالت ہی ہے کہ تاویل اور فہم کے اختلاف کو سمجھا جاتا ہے نہ اسے برداشت کیا جاتا ہے، بلکہ الٹا ایسا جذباتی رویہ اختیار کیا جاتا ہے جو فریق مخالف کے ساتھ افہام و تفہیم کی بجائے ہمیشہ مناظرانہ ومجادلانہ فضا پیدا کیے رکھتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں اجتہادی مسایل میں تکفیری رویوں کا علمی بنیادوں پر تجزیہ کیا جائے گا اور جمہور فقہاے اہل سنت کے مطابق جنہیں موانع تکفیر کہا جاتا ہے، ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

'کفر' ایمان کی ضد ہے

کفر کا لفظ عربی میں چیز کو چھپانے کا معنی دیتا ہے۔ کاشت کار (کسان) کے لیے بھی لغوی طور پر 'کافر' کا لفظ بولتے ہیں، کیونکہ وہ بیج کو جب کھیت میں ڈالتا ہے تو اسے کھیت کی مٹی میں چھپا دیتا ہے:

{ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ }[1]

"اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے"۔

اسلامی اصطلاح میں کفر کا لفظ ایمان کے بالمقابل (متضاد) مستعمل ہے۔ اس لیے کہ کافر اسے کہتے ہیں جو دین حق کو دل و جان سے تسلیم کرنے اور اس کا اقرار کرنے کی بجائے اسے چھپاتا ہے۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے کسی چیز کو چھپانا اس کا انکار کرنا ہے۔ اس لیے لفظ کفر کا معنی 'انکار' بھی ہے۔[2] راغب اصفہانیؒ کے بقول، لغوی طور پر کفر کا معنی ہے: ستر الشیئ۔ بعض ماہرین لغت کے بقول رات اور کسان کے لیے بطور اسم تو نہیں البتہ بطور صفت لفظ 'کافر' بولا جاتا ہے، اس لیے کہ رات تمام لوگوں کو (اپنے اندھیرے میں) چھپا لیتی ہے اور کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ کفرانِ نعمت کا مطلب نعمت کی ناشکری کر کے اسے چھپانا ہے۔ اللہ کی وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار اصل میں

بڑا کفر ہے۔ جب کسی نعمت کو چھپایا جائے تو وہ نتیجہ کے اعتبار سے اس نعمت کا انکار کرنا ہی سمجھا جاتا ہے، اس لیے کفر کا لفظ انکار کے مفہوم میں بھی قرآن میں استعمال ہوا ہے۔۔۔کفر ایمان کی ضد ہے۔[3]

اصطلاحی طور پر 'کفر' ایمان کی ضد ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق،" اس چیز کی تکذیب / انکار جو رسول ﷺ سے بحیثیت دین "بدیہی " درجہ میں ثابت ہو (یعنی قطعی الثبوت ہو) کفر سے موسوم ہے"۔[4]

علمائے اہل سنت کے ہاں کفر کی دو قسمیں ہیں:

" کفر اکبر " اور " کفر اصغر "۔ کفر اکبر وہ صورت ہے جس کا مرتکب مسلمان نہیں رہتا، اس لیے اس صورت کو " مخرج من الملۃ" کفر بھی کہتے ہیں اور اسے ناقضِ ایمان (یعنی ایمان کو توڑ دینے والا) بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں دین کی کسی ایسی بات کا انکار کیا جا رہا ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ہاں متفق علیہ ہے، مثلاً جیسا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، دین کی بدیہی / ضروری چیزوں، مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ کی فرضیت سے انکار کرنا، نبوت و رسالت اور عقیدہ آخرت سے انکار کرنا، یا جس چیز کے حرام ہونے پر اجماع امت ہے اسے حلال سمجھنا (نعوذ باللہ!)۔ اور دوسری قسم یعنی " کفر اصغر " وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں کرتی مگر اس کا مرتکب گنہگار کہلاتا ہے۔ اس میں قتل، لڑائی جھگڑا، خیانت، گالی گلوچ اور اس جیسے کئی ایک گناہ شامل ہیں۔[5]

کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں سخت احتیاط کی تلقین

کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے سے سخت احتیاط کی تلقین فرمائی ہے، مثلاً:

1۔ حضرت ثابت بن ضحاکؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کو کافر کہنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے"۔[6]

2۔ حضرت ابو ذرؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ فرمایا: "جو آدمی کسی پر فسق و کفر کی تہمت لگائے جبکہ وہ اس فسق و کفر سے بری ہے، تو وہ الزام اسی پر لوٹتا ہے"۔[7]

3۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کوئی اپنے مسلمان بھائی کو کہے: اے کافر! تو کفر کا یہ الزام ان میں سے کسی ایک پر ضرور لوٹتا ہے"۔[8]

4۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کیا: "بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو بھائی بنے ہوئے تھے۔ ایک گنہگار تھا اور دوسرا خوب عبادت گزار تھا۔ یہ عبادت گزار دوسرے کو ہمیشہ گناہ ہی کی حالت میں دیکھتا اور اسے گناہ سے باز آنے کا کہتا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اسے گناہ کی حالت میں دیکھا تو اس سے کہنے لگا کہ باز آ جا۔ اس نے آگے سے جواب دیا کہ آپ میرا اور میرے رب کا معاملہ چھوڑ دیجیے، کیا آپ مجھ پر داروغے مقرر ہوئے ہیں؟ تو عبادت گزار نے کہا: بخدا! اللہ تمہیں نہیں بخشے گا۔ یا یوں کہا: اللہ تمہیں جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ پھر انہیں خدا نے موت دی اور وہ دونوں اس کی بارگاہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے پوچھا، کیا تم مجھے جانتے ہو؟ تمہیں معلوم ہے میرے ہاتھوں میں کتنی قدرت ہے؟ اور پھر گنہگار سے اللہ نے کہا کہ جاؤ میری رحمت سے میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عبادت گزار سے کہا کہ جاؤ آگ میں چلے جاؤ"۔[9]

ان احادیث میں تکفیر کے مسئلہ میں سخت احتیاط کی تلقین کی گئی ہے لیکن اس سلسلہ میں ہمارے ہاں اس کے برعکس انتہائی غلط رویہ پایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے علم کی بنیاد پر تکفیر کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے اور جسے وہ اپنے محدود اور انفرادی علم کی بنیاد پر کافر سمجھتا ہے، دائرہ اسلام سے خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور لوگوں پر کفر کے حکم اور فتوے لگانا کوئی ایسی معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ اسی لیے تکفیر کے سلسلہ میں فقہاے اہل سنت نے کئی ایک موانع متعین کیے ہیں جن کی موجودگی میں عمل کفر کے مرتکب کو انہوں نے کفر کے باوجود کافر قرار نہیں دیا۔ لیکن ان موانع کا اطلاق و تعین کرنا نہایت مشکل اور پیچیدہ ہے اور اسی لیے سنجیدہ اہل علم ہمیشہ اس باب میں احتیاط کرتے رہے۔ معروف مالکی فقیہ علامہ ابن عبد البرؒ نے اس سلسلہ میں اہم بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

> ”جس شخص کا اسلام ایک مرتبہ امت کے اجماع کے ساتھ ثابت ہو جائے اور پھر وہ کوئی ایسا گناہ کرے یا ایسی تاویل کرے کہ اس بارے اختلاف واقع ہو جائے کہ یہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے یا نہیں، تو یہ اختلاف اس اجماع کے مقابلہ میں کوئی اہمیت اور حجت نہیں رکھتا جو اسی شخص کے مسلمان ہونے کے حوالے سے اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ یہ شخص اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا تاوقتیکہ اس کے اسلام سے خروج پر ایسا ہی اتفاق امت نہ ہو جائے جیسا کہ اس کے اسلام لانے پر ہوا تھا، یا اس کے کفر پر ایسی سنت ثابتہ موجود ہو جس کے ساتھ کسی اور دلیل کا ٹکراؤ نہ ہو۔ اہل سنت متفق ہیں کہ کوئی شخص گناہ سے خارج از اسلام نہیں، خواہ کبیرہ گناہ ہو، البتہ اہل بدعت نے اس اصول سے اختلاف کیا۔ لہٰذا واجب ہے کہ کسی شخص کی تب تک تکفیر نہ کی جائے کہ جب تک اس کے کفر پر امت متفق نہ ہو جائے یا اس کفر پر ایسی دلیل قائم ہو کہ قرآن و سنت سے اس دلیل کے خلاف کوئی چیز اسے کفر کے حکم سے بچانے والی نہ ہو“۔[10]

عدم تکفیر میں ظاہری حالت کا اعتبار اور حسن ظن

اسلام میں ظاہری حالت کو اصل مانا گیا اور دوسروں کے بارے میں ان کی ظاہری حالت کے مطابق بات کرنے اور ظاہری حالت ہی کو معتبر سمجھنے اور حسنِ ظن رکھنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ معروف اصولی امام شاطبیؒ بیان فرماتے ہیں:

”احکام شریعت کے لحاظ سے بالخصوص اور باعتبار عقائد بالعموم یہ قطعاً طے ہے کہ ظاہری حالت کے مطابق حکم لگانا ہی اصل ہے۔ سید البشر ﷺ کو اگرچہ وحی ہو جاتی تھی، لیکن پھر بھی آپ ﷺ منافقوں سے ظاہری احکام کی رعایت کرتے تھے جبکہ آپ ان کے باطن سے باخبر تھے لیکن آپ ﷺ نے اس کے باوجود منافقین سے ظاہری احکام کی تنفیذ کی روش میں فرق نہیں برتا۔ یہ درست نہیں کہ منافقوں سے منافقوں والا سلوک نہ کرنے کی وجہ / علت نبی ﷺ کا یہ خوف تھا کہ 'لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ تو اپنے ہی لوگوں کو مروا دیتا ہے'۔ یہ علت نہیں تھی بلکہ اس کی علت کچھ اور ہے اور اگر وہ علت نہ ہوتی تو پھر منافقین کو قتل کرنے میں بھی کوئی حرج نہ ہوتا۔ ظاہری احکام کے حوالے سے (ہم نے) جو رائے اختیار کی، اس کی تائید میں (منافقوں کے ساتھ آپ ﷺ کا طرز عمل) سب سے بڑا ثبوت

ہے۔ کیونکہ اگر یہ (ظاہر پر اعتماد کرنے کی بجائے کسی باطنی امر پر اعتماد کر لینے کا) دروازہ کھول دیا جاتا تو پھر ظاہری معاملات کی حفاظت کا سارا نظام ہی فیل ہو جاتا۔ جس شخص کا قتل کسی ظاہری سبب پر مبنی ہو، اس کے قتل کی وجہ / علت بھی بالکل ظاہر ہوتی ہے اور جسے کسی ظاہری سبب کی بجائے محض غیبی امر پر قتل کیا جائے تو اس سے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے اور ظاہری طور پر معاملات میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے شریعت میں یہی بہتر سمجھا گیا کہ اس دروازے (یعنی ظاہر پر اعتبار کی بجائے باطن پر اعتماد کرنے کے دروازے) کو کلیتاً بند کر دیا جائے"۔[11]

مطلب یہ کہ اصل چیز ظاہر ہے اور اسلام میں اصل اور ظاہری چیز اسلام ہے، کفر نہیں۔ جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہے۔ اس کے دل میں اگر بالفرض کفر ہے، تو ہم اس پر محض شک کی بنا پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے بلکہ اس کی ظاہری حالت کے مطابق اسے مسلمان ہی کہیں گے اور ایک اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد مسلمانوں والے تمام حقوق ملیں گے، جس طرح عہد رسالتمیں منافقین سے ظاہری حالت کے مطابق مسلمانوں والا سلوک ہی کیا جاتا تھا۔ عبد اللہ بن اُبی منافق تھا، مگر بظاہر مسلمان تھا، اس لیے اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ کیا گیا۔ علماء اہل سنت نے ظاہری حالت کو معتبر قرار دینے کے لیے مذکورہ دلائل کے علاوہ بھی کئی دلائل دیئے ہیں، مثلاً:

۱۔ قرآن مجید میں ہے کہ "اے مومنو! تم زمین میں جب سفر کرو تو تحقیق کرو، جو تمہیں سلام کہے اسے یہ نہ کہو کہ تم تو مومن نہیں۔ کیا تمہیں دنیا کی زندگی کا سامان چاہیے"۔[12]

بعض روایات میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ ایک علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کے لشکر کو اس طرف آتا دیکھا تو انہیں سلام کہا (جو کہ مسلمانی کی ایک علامت اور شعار ہے) تو بعض صحابہ سمجھے کہ شاید اس نے ہم سے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اس شک پر اسے قتل کیا، اس کی بکریاں لیں اور نبی کریمq کے پاس آ گئے تو اس پر مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔[13]

۲۔ حضرت اسامہؓ نے کہا:

> "ہمیں اللہ کے رسولؐ نے ایک جنگی مہم پر بھیجا۔ جب ہم نے وہاں شب خون مارا، تو میں نے ایک آدمی پر جب قابو پالیا تو وہ کلمہ پڑھنے لگا، لیکن میں نے اسے نیزے سے مار دیا۔ پھر مجھے شبہ پیدا ہوا چنانچہ میں نے نبی ﷺ کو بتایا، آپؐ نے (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا پھر بھی تم نے اسے قتل کیا؟! میں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! اس نے تو اسلحہ کے خوف کی وجہ سے کلمہ پڑھا۔ آپؐ نے کہا: کیوں نہ اس کا دل چیر کر تم دیکھ لیتے کہ تمہیں یقین ہو تا کہ اس نے دل سے ایسا کیا یا نہیں؟! آپ ﷺ نے یہ بات اتنی بار دہرائی کہ مجھے حسرت ہوئی کہ کاش آج ہی میں مسلمان ہوا ہوتا"[14]۔ (تاکہ اس غلطی کا ارتکاب مجھ سے نہ ہوا ہوتا۔)

۳۔ حضرت مقداد بیان فرماتے ہیں: "میں نے رسالت مآبؐ سے پوچھا، اگر میرا اور کسی مشرک کا میدان جہاد میں آمنا سامنا ہو جائے اور وہ میرا بازو کاٹ دے اور جب میں اسے قابو کر لوں اور وہ فوراً کلمہ پڑھ لے تو کیا پھر میں اسے قتل کر دوں؟ آپؐ نے نفی میں جواب دیا"۔[15]

۴۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ”جس نے کلمہ پڑھا، قبلہ کی طرف ہماری طرح نماز پڑھی اور ذبیحہ کھایا تو ایسا شخص مسلمان ہے[بعض روایات میں ہے کہ] اور اسے مسلمانوں والے حقوق ملیں گے، نیز اس کے ذمہ بھی وہ فرائض ہیں جو دیگر مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں“۔[16]

۵۔ ابن عمرؓ نے روایت کیا کہ رسالت مآبؐ فرماتے ہیں:

”مجھے حکم ملا کہ لوگوں کے ساتھ لڑوں تاوقتیکہ وہ اللہ کے معبود اور میرے رسول ہونے کی گواہی نہ دیں، نماز کی اقامت اور زکاۃ کی ادائیگی نہ کریں۔ لہٰذا جب لوگ ایسا کریں تو وہ اپنے خون اور اموال محفوظ بنالیں گے سوائے اس کے کہ جو اسلام کا حق ہے، اور ان کا (اعتقادی) معاملہ اللہ جانے“[17]۔

تکفیر کے بنیادی موانع اور عذر / موانع تکفیر (مسلمان کو کافر قرار دینے سے روکنے والی چیزیں)

مسئلہ تکفیر کی نزاکت اور اس سلسلہ میں احتیاط کے پیش نظر جمہور علماء اہل سنت نے ہمیشہ کچھ چیزوں کو تکفیر میں رکاوٹ اور مانع قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان موانع کی موجودگی میں کسی شخص کے واضح ترین کفر کے ارتکاب کے باوجود اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا[18]۔ یہ موانع بنیادی طور پر چار ہیں یعنی:

۱۔ جہالت اور لاعلمی ۲۔ خطا اور غلطی

۳۔ تاویل / اجتہاد ۴۔ جبر واکراہ کی حالت[19]۔

تکفیر کے مسئلہ میں احتیاط کا پہلو بھی اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ مذکورہ بالا چار صورتوں کو "موانع تکفیر" قرار دیا جاے۔ اس کے علاوہ دیگر عمومی دلائل مثلاً اختلافی مسایل میں اعتدال اور رواداری اختیار کرنا، کلمہ گو مسلمانوں کے ایمان کے بارے میں حسن ظن رکھنا، وغیرہ بھی اسی کے متقاضی ہیں، جیسا کہ پیچھے اس کا ذکر کیا گیا۔ لہٰذا تکفیر کے مسئلہ میں ان چار چیزوں کو مانع خیال کرتے ہوئے ان کی موجودگی میں صریح کفر کے مرتکب کو بھی کافر قرار نہیں دیا جائے گا تاوقتیکہ اس پر حجت قائم نہ کردی جائے۔ آئندہ صفحات میں ان چاروں موانع پر تفصیلی بات کی جائے گی۔

1۔ جہالت اور لاعلمی کا عذر / مانع

جمہور فقہاے اہل سنت نے عقائد اور غیر عقائد دونوں دایروں میں اصولی طور پر جہالت کو تکفیر کا مانع / عذر تسلیم کیا ہے۔[20] اس سلسلہ میں ان کی ایک دلیل قرآن مجید کی یہ آیت **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**[21] بھی ہے جس سے استدلال کرتے ہوئے امام شاطبی مالکی نے ایک سے زیادہ مرتبہ اس آیت کی روشنی میں جہالت کے عذر ہونے کو ثابت کیا ہے، اس بنا پر کہ انبیاء اور رسول ہی لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دین وشریعت کیا ہے، خود اپنے آپ انسان اللہ کی شریعت کے بارے میں نہیں جان سکتا، اور جب تک کسی قوم میں رسول نہ آیا ہو تب تک انہیں دین وشریعت سے جاہل تصور کیا جائے۔ نیز جہالت کی حالت میں کیے گئے کفر اور دین وشریعت کی مخالفت پر اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتے۔[22]

لیکن تفصیل اور اطلاق میں اس مانع / عذر کے بارے میں سنی فقہا کا اختلاف راے پایا جاتا ہے، مثلاً جہالت کا عذر معتبر مانتے ہوئے کسی "اہل قبلہ" (مسلمان) کو "کافر" قرار نہیں دیا جاے گا، جیسا کہ علامہ زرکشی شافعی وغیرہ کی

رائے ہے۔ اسی طرح حقوق اللہ کے باب میں "منہیات" کا ارتکاب اگر جہل کی وجہ سے ہو تو اسے بھی فقہا قابل مواخذہ قرار نہیں دیتے، اسی لیے جہالت کو انہوں نے "اھلیت" کے عوارض میں شمار کیا ہے، مگر جہالت کی وجہ سے کیے گے وہ اقدامات جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، کے بہت سے پہلو فقہاے اہل سنت کے نزدیک قانونی طور پر دنیامیں قابل مواخذہ بھی ہیں۔[23]

جہالت کو عذر ثابت کرنے میں فقہانے درج ذیل روایت کو بھی مد نظر رکھا جس میں آنحضرتؐ نے گزشتہ قوموں کے بارے فرمایا: "ایک آدمی اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، بوقتِ موت اس نے بیٹوں کو کہا کہ میں مر جائوں تو میری لاش کو جلادینا اور (جب لاش جل کر کوئلہ بن جائے تو) اسے پیس کر راکھ بنادینا اور پھر اس راکھ کو ہوا میں اڑادینا۔ کیونکہ بخدا! اگر اللہ نے میرا مؤاخذہ کیا تو وہ ایسی سزا دے گا جو کسی اور کو نہیں دی ہو گی۔ جب وہ مرا تو بیٹوں نے وہی کیا جو کہا گیا تھا۔ ادھر اللہ نے زمین سے کہا کہ اس شخص کی لاش کو جمع کر کے حاضر کر دو تو زمین نے اللہ کی تابعداری کی اور وہ شخص زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: "یااللہ! آپ کے خوف سے!" چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا"۔[24]

ایک روایت میں اس ضمن میں یہ بھی ہے: "اس نے کہا کہ میں نیکیوں کا ذخیرہ نہیں کر سکا اور مجھے ڈر ہے کہ میں اللہ کے ہاں پہنچوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے لہٰذا تم ایسا کرنا کہ جب میں مر جائوں تو میری لاش کو جلادینا اور جب لاش جل کر کوئلہ بن جائے تو اسے پیس کر راکھ بنادینا اور جس دن تند و تیز آندھی آئے اس دن اس راکھ کو آندھی میں اڑادینا۔ اس شخص نے اس بات پر بیٹوں سے پختہ وعدہ لیا اور بخدا! اس کے بیٹوں نے اس کے مرنے پر ایسا ہی کیا۔ مگر (جب وہ اللہ کے حضور پہنچا تو) اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن (ہو جا) کہہ کر اسے زندہ فرمادیا اور وہ ایک آدمی کی شکل میں زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے میرے بندے! بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: "یااللہ! آپ کے خوف سے!" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا، اور اسے معاف فرمادیا"۔[25]

ابن تیمیہؒ جنہوں نے اس حدیث سے جہالت کو تکفیر کا مانع اور عذر تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ استدلال کیا ہے، ایک جگہ بیان فرماتے ہیں:

> "اس آدمی کا اللہ کے بارے یہ خیال تھا کہ اگر اس کی لاش کے اجزا بکھر جائیں گے تو اللہ انہیں جمع نہیں کر سکے گا کیونکہ اللہ کو اس کی قدرت نہیں ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کو لاش جمع کرنے کی قدرت نہیں اور دوسری یہ کہ لوگوں کو روز حشر اٹھایا نہیں جائے گا، لیکن وہ شخص اس چیز سے جاہل ہونے کے ساتھ اللہ پر ایمان بھی رکھتا تھا اور اللہ کی خشیت بھی اس میں تھی، حالانکہ اپنے گمان میں وہ واضح طور پر غلطی پر تھا مگر اس کے باوجود اللہ نے اسے بخش دیا۔ اور یہ حدیث بھی اس مسئلہ میں بالکل واضح ہے کہ وہ شخص اس لالچ کے ساتھ ایسا کر رہا تھا کہ اسے اللہ اب زندہ نہیں کر سکے گا، یا کم از کم اسے دوبارہ زندہ کیے جانے (معاد) کے بارے میں شک تو ضرور تھا اور یہ شک بھی کفر ہے کیونکہ جب نبیوں کی طرف سے حجت قائم کر دی جاتی ہے تو پھر آخرت کے منکر پر کفر کا حکم لگتا ہے"۔[26]

اس حدیث کے حوالے سے علامہ ابن عبد البر مالکیؒ لکھتے ہیں: "اس آدمی کی اللہ کی صفتِ قدرت وصفتِ علم سے جہالت نے اسے ایمان سے خارج نہیں کیا"۔[27] اسی طرح ابن قیمؒ اس حدیث کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جو کسی فرض یا واجب چیز کا جہالت یا تاویل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، تو یہ اس کی تکفیر میں رکاوٹ / عذر ہو گا"[28]۔ اسی طرح کا استدلال اس حدیث سے علامہ ابن قتیبہ وغیرہ نے بھی کیا ہے[29]۔

حضرت حذیفہ سے مروی درج ذیل حدیث سے بھی فقہائے اہل سنت نے زیر بحث مسئلہ میں استشہاد کیا ہے۔ رسالت مآبؐ کے بقول: "اسلام اس طرح مٹنا شروع ہو جائے گا جیسے کپڑے سے اس کے نقش و نگار مٹنا شروع ہو جاتے ہیں حتی کہ ایسا وقت آجائے گا کہ لوگوں کو پتا نہیں ہو گا روزہ کیا ہے، نماز، قربانی اور صدقہ وزکاۃ کیا ہے۔ کتاب اللہ پر ایسی رات بھی آئے گی کہ اس کی کوئی آیت زمین پہ باقی نہ بچے گی۔ ایسے لوگ رہ جائیں گے جن کے بوڑھے باپ بھی کلمہ کے بارے یہ کہتے پائے جائیں گے کہ ہمیں یہی ایک کلمہ آتا ہے"۔ حدیث کے ایک راوی صلۃ بن زفر حضرت حذیفہ سے پوچھتے ہیں کہ جب یہ لوگ نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ سے جاہل ہوں گے تو پھر کلمے کا انہیں کیا فائدہ ہو گا؟ تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے منہ موڑ لیا(جواب نہ دیا)۔ انہوں نے پھر دوسری بار سوال کیا مگر حذیفہؓ نے جواب دیا۔ پھر تیسری بار انہوں نے یہی سوال کیا تو حضرت حذیفہ i نے تین بار کہا کہ کلمہ ہی ایسے لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات دلا دے گا"۔[30]

امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کے پیش نظر فرماتے ہیں:

> "بہت سے لوگ ایسے علاقوں یا ایسے زمانوں میں پیدا ہوتے ہیں کہ جب نبوت کے علوم کا بڑا حصہ مٹ چکا ہوتا ہے، حتی کہ ایسے لوگ بھی باقی نہیں رہے ہوتے جو اس کتاب و حکمت کی آگے تبلیغ کریں جسے اللہ نے نبی پر نازل کیا، چنانچہ اس طرح اللہ کی طرف سے رسول پر بھیجے گئے دین کا بڑا حصہ لوگوں تک نہیں پہنچ پاتا، تو ایسے لوگوں کی (کسی کفریہ عمل کی بنیاد پر) تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اسی لیے علما متفق ہیں کہ ایسا شخص جو اہل علم اور اہل مذہب لوگوں سے بہت دور کسی بستی میں پرورش پائے اور پھر وہ اسلام میں بھی نیا نیا داخل ہوا ہو تو اگر وہ کسی شرعی حکم جو بالکل ظاہر اور متواتر ہو، کا انکار کر دے تو وہ کافر نہیں، حتی کہ اسے اس چیز کی پوری طرح معلومات دی جائیں جسے اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، اسی لیے ایک حدیث میں ذکر ملتا ہے: 'ایسا وقت آجائے گا کہ لوگوں کو یہ بھی علم نہیں ہو گا کہ نماز روزہ کیا ہے'۔"[31]

جہالت کے عذر پر مزید علماے اہل سنت کی آراء

جہالت کے عذر کو تکفیر کے باب میں عذر تسلیم کرنے کے سلسلہ میں بعض علماے اہل سنت کی آراء گزشتہ صفحات میں ضمناً زیر بحث آئی ہیں، ذیل میں کچھ مزید علما کی آراء درج کی جا رہی ہیں۔

ا۔ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ بیان فرماتے ہیں:

"اللہ کے بعض ایسے اسماء وصفات ہیں جو قرآن نے یا پیغمبر علیہ السلام نے بیان کیے اور جنکی تردید کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا کیونکہ ان کا ماخذ یا تو قرآن ہے یا پھر رسالت مآب ﷺ سے عادل راویوں کی صحیح روایات سے ان کا

ثبوت ملتا ہے۔ لیکن حجت واضح ہو جانے کے باوجود کوئی ان کی مخالفت و انکار کرے تو کافر ہے، تاہم اس پر حجت قائم کرنے سے پہلے اسے جہالت کے عذر کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا کیونکہ ان صفات کا علم عقل سے یا آنکھ کی بصارت سے یا غور و فکر سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے جب تک اسے اس بارے میں بتا نہیں دیا جاتا، تب تک اس جاہل شخص کو ہم کافر قرار نہیں دے سکتے"۔[32]

۲۔ قاضی ابن عربی مالکیؒ بیان فرماتے ہیں: "جس طرح نیکی کے کاموں کو ایمان کا نام دیا گیا، ایسے ہی گناہوں کو کفر کہا گیا۔ جہاں کہیں مطلق طور پر گناہوں کو کفر قرار دیا جائے، وہاں اس سے ایسا کفر مراد نہیں لیا جائے گا جو ملت سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ اس امت میں جاہل اور غلطی کرنے والا خواہ کفر و شرک کا ارتکاب کر لے، اسے جہالت اور غلطی کے عذر کی وجہ سے کافر و مشرک قرار دینا ٹھیک نہیں، الا یہ کہ اس پر وہ حجت پوری طرح ظاہر ہو جائے جس کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے"۔[33]

۳۔ علامہ ابن حزمؒ ظاہری نے ابو یوسفؒ سے نقل کیا کہ

> "قاضی ابو یوسفؒ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اس کی گواہی پر آپ کی رائے کیا ہے جو سلف صالحین (صحابہؓ) میں سے کسی کو گالی دے؟ تو انہوں نے صحیح سچ کہا کہ اگر میرے نزدیک کسی کے بارے ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے پڑوسی کو گالی دیتا ہے تو میں تو اس کی بھی گواہی قبول نہ کروں گا، جب کہ امت کے بزرگوں (سلف صالحین) میں سے کسی کو گالی دینا تو اس سے زیادہ قبیح بات ہے۔ ہاں اگر کوئی جہالت سے ایسا کرے اور اس پر نص (قرآن و سنت کی دلیل) کے ساتھ صحابہ کی فضیلت اور انہیں گالی دینے کی ممانعت کی حجت قائم نہیں ہوئی تو پھر اس کی اس گالی سے بلکہ اس سے بھی بڑی گالی سے اس کے دین میں بالکل کوئی بگاڑ نہیں۔ اسے اس سلسلہ میں معلومات دی جائیں اور اگر وہ (سلف کے معاملہ میں) پھر بھی سرکشی کرے تو فاسق ہے۔ اگر نبیؐ کے معاملہ میں سرکشی کرے تو کافر و مشرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص جہالت اور غلطی کی وجہ سے قرآن بدل دے (پڑھتے ہوئے یا لکھتے ہوئے) یا جہالت اور غلطی سے قبلہ کے علاوہ کسی اور رخ پر نماز پڑھ لے تو اس پر اسکے دین / مذھب کے سلسلہ میں کوئی الزام نہیں لگایا جائے گا تاوقتیکہ اس پر حجت قائم ہو جائے۔ اس رائے پر اہل اسلام متفق ہیں"۔[34]

۴۔ امام نوویؒ نے فرمایا: "جو شخص اسلام کی کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو بالکل واضح (ضروری) طور پر ثابت ہو تو ایسے شخص کے مرتد و کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا، البتہ اگر وہ ایسا شخص ہو جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا (مسلمانوں کے علاقے سے) بہت دور کسی دیہات وغیرہ میں اس نے پرورش پائی ہو یا ایسی ہی کسی صورت سے دوچار ہو کہ اس کے لیے دین کی یہ ضروریات واضح نہ ہو سکی ہوں تو پھر کفر و ارتداد کا حکم عائد نہیں ہوتا بلکہ اسے دین کی وہ بات بتائی جائے گی، ہاں پھر بھی وہ اس سے انکار پر اصرار کرے تو پھر اس کی تکفیر درست ہے"[35]۔

۵۔ یہی بات امام ابن تیمیہؒ کے ہاں بارہا دہرائی گی ہے۔[36]

۶۔ قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ کی (ملک شام کے لوگوں کے غیر اللہ کو سجدہ کرنے والی) حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جہالت کی وجہ سے کسی کو سجدہ کرتا ہے، وہ کافر نہیں۔[37]

2۔ خطا/غلطی کا عذر/مانع

لفظ خطا کا لغوی معنی ہے غلطی۔ خطا کرنے کا مطلب ہوا غلطی کی۔ اسی طرح اسے 'ضد الصواب' یعنی صحیح اور درست کی ضد بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں أخطأ الطریق کا مطلب ہے 'راستہ بھول گیا'۔ اسی طرح وأخطأ الرامی الغرض کا مطلب ہے: 'شکار کرنے والا نشانہ لگانے میں غلطی کر گیا'[38]۔ فقہی اصطلاح میں غیر ارادی طور پر کسی غلط کام کے ارتکاب کو 'خطا' کہتے ہیں[39]، اور خطا نتیجہ ہے سہو و نسیان (بھول چوک) یا غفلت و ذھول (لاپروایی، بے احتیاطی) کا[40]۔

یہ بات واضح رہے کہ غلطی کا تعلق عام طور پر غیر ارادی صورتحال سے ہے یعنی ایک شخص سبقتِ لسانی کی وجہ سے ایسی بات کہہ دیتا ہے جو وہ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اسی طرح کسی شخص سے بھول چوک یا غفلت یا لاپروایی یا کسی شبہ کے پیش نظر ایسے قول یا فعل کا صادر ہونا ہے جو قصداً یا شبہ کی عدم موجودگی میں وہ کسی صورت بھی صادر نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص شبہ کی وجہ سے کسی اور کو بیٹا یا باپ کہہ دیتا ہے، حالانکہ جان بوجھ کر وہ ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح بعض اوقات اجتہاد اور تعبیر و تاویل میں بھی غلطی لگ جاتی ہے اور جس طرح جہالت کی وجہ سے فقہاے اہل سنت جاہل شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے، اسی طرح خطا کی وجہ سے "کفریہ" قول یا فعل کے مرتکب پر بھی وہ کفر کا حکم نہیں لگاتے، بلکہ "جہالت" کی طرح "خطا" کو بھی تکفیر کا مانع اور عذر تسلیم کرتے ہیں۔ جمہور فقہا کے نزدیک خطا کا عذر حقوق اللہ کے باب سے متعلقہ بہت سے احکام میں قابل اعتبار ہے، اس لیے سہو و نسیان سے غلطی کرنے والا گنہگار قرار نہیں دیا گیا، لیکن حقوق العباد سے متعلقہ اکثر مسایل میں یہ عذر قابل قبول نہیں، مثلاً اگر کسی نے دوسرے کا غلطی سے مالی نقصان کیا تو اسے وہ پورا کرے گا[41]۔ آئندہ سطور میں چند ایک وہ دلائل ملاحظہ فرمائیں جن سے فقہاے اہل سنت نے خطا کے عذر ہونے کا اعتبار کیا ہے۔

1۔ سورۃ الاحزاب کی آیت پانچ میں یہ بتایا گیا ہے کہ لے پالک اور منہ بولی اولاد حقیقی اولاد نہیں ہوتی، اس لیے بچے کو خونی باپ کی طرف ہی نسبت دی جائے جو اس کا حقیقی باپ ہے اور اگر غلطی سے کسی کو غلط نسبت سے پکارا جائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں۔ لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا گناہ ہے[42]، جس کی تائید حدیث میں اس طرح ہے: ''جس نے کسی کو جان بوجھ کر غیر باپ کی طرف منسوب کیا، اس نے کفر کیا''۔[43]

سنی علما اس آیت سے بالاتفاق یہ استدلال کرتے ہیں کہ غلطی کی وجہ سے کیے گئے کسی بھی گناہ کے کام پر گناہ لازم نہیں آتا، جیسا کہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

> " لم یمنع ذلک من الاستدلال بعمومہا، وقد أجمعوا علی العمل بعمومہا فی سقوط الإثم "[44]
>
> ''ان آیات کے عموم سے استدلال کرنا منع نہیں ہے بلکہ علما ان آیات کے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے بالاتفاق کہا کہ (غلطی سے کیے گئے کسی بھی کام پر) گناہ نہیں ہو گا''۔

قرآن مجید کی کچھ مزید آیات میں بھی صرف ایسے مومن کی مذمت کی گئی ہے جو قصد و ارادے سے دوسرے مومن کو قتل کرے، یا ایسے ہی کوئی گھناؤنا جرم یا بڑا گناہ کرے۔ اس کی غلطی حقوق العباد سے متعلق ہو تو اس کے ذمہ دنیا میں کچھ مالی سزا تو ہے مگر آخرت میں اس پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔[45]

2۔ رسالت مآب ﷺ کی حدیث ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عن امتی اَلْخَطأَ وَالنِّسیان وَمَا اسْتُكْرِہُوْا عَلَیه[46]

"میری امت سے خطا، نسیان / بھول اور جس چیز میں ان پر جبر / اکراہ کیا جائے، (تینوں کو) اللہ نے معاف کر دیا ہے"۔

حافظ ابن رجبؒ اس تناظر میں لکھتے ہیں: "اگر کوئی شخص ایک کام کرنا چاہے مگر اس سے اس کے ارادے کے برعکس کوئی اور کام سرزد ہو جائے تو اسے خطا کہتے ہیں، جیسے ایک شخص کافر کو قتل کرنا چاہتا ہو مگر اچانک اس کی بجائے کوئی مسلمان مارا جائے تو یہ خطا ہے۔ ایک کام یاد تھا کہ فلاں وقت کرنا ہے مگر انسان بھول جاتا ہے اور کر نہیں پاتا تو یہ نسیان (بھول چوک) کہلاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں (یعنی خطا اور بھول چوک شریعت میں) قابل معافی ہیں۔ قابل معافی ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر گناہ / مؤاخذہ نہیں اور ان پر جو (ظاہری شرعی) احکام لاگو ہوتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے مثلاً بوجہ خطا کوئی مسلمان کو مار دے تو اس پر کفارہ / دیت کا حکم ختم نہیں ہوتا... ان دو حالتوں میں (گناہ تو نہیں ہوتا البتہ) کسی اور شرعی حکم کے عائد ہونے یا ختم ہونے کے لیے کوئی اور دلیل موجود ہونی چاہیے"[47]۔

3۔ ایک اور مشہور حدیث میں ہے: "جب حاکم (قاضی) کو بوقت فیصلہ اجتہاد کرنا پڑے اور وہ درست اجتہاد کر پائے تو اسے دو اجر ملیں گے، اجتہاد میں خطا کر بیٹھے تو پھر ایک اجر ملے گا"۔[48]

کیونکہ کوشش کا اجر ضائع نہیں جاتا اور جو اس کوشش میں حق تک پہنچ جائے اسے دوہرا ثواب ہے۔ ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

"اس امت میں سے جو تلاش حق کی کوشش میں غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا تو اس کی تکفیر درست نہیں، اس کی یہ غلطی تو قابل معافی ہے۔ البتہ جس نے نبی ﷺ کا دین معلوم ہو جانے پر اس ہدایت کے کام میں نبی کی مخالفت کی اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کیا تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔ جو اجتہاد میں خواہش نفس کا اسیر ہے، اور حق کی تلاش میں کوتاہی کرے اور بغیر علم کے اس سلسلہ میں کوئی بات کرے تو وہ گنہگار اور فاسق ہے۔ اور ایسا فاسق شاید (نامۂ اعمال میں) اتنی نیکیاں رکھتا ہو جو اس غلطی پر غالب آ جائیں۔۔۔ کسی شخص کو روا نہیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی پر کفر کا فتویٰ لگائے، خواہ کوئی غلطی اور کوتاہی سے کفر کا کام کر رہا ہو، تاوقتیکہ حجت تمام کر دی جائے۔۔۔ جس شخص کا اسلام یقین کی بنیاد پر ثابت ہو اس کا ایمان شک کی بنیاد پر ختم نہیں ہو سکتا بلکہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب حجت کو قائم اور شبہ کو دور کر دیا جائے"۔[49]

۳۔ اِکراہ اور جبر کا مانع / عذر

'اکراہ' کا مطلب ہے کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کے لیے مجبور کرنا جسے وہ اپنے ارادے اور مرضی سے کسی صورت بھی نہ کرنا چاہتا ہو[50] مثلاً ایک غیر مسلم کسی مسلمان کو اپنی قید میں کرلے اور اس کے بعد اس سے کہے کہ تم اپنی مذہبی کتاب یا اپنے پیغمبر یا کسی اور دینی شعار وغیرہ کو گالی دو، ورنہ تمہیں قتل کردوں گا یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور اس مسلمان کو یقین بھی ہو یا ظن غالب ہو کہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے، اسے کر گزرے گا تو ایسی صورت اس کے لیے 'اِکراہ' کہلائے گی[51]۔

اکراہ میں کسی شخص کو براہ راست (بلا واسطہ) بھی مجبور کیا جا سکتا ہے اور بالواسطہ بھی۔ بلا واسطہ کی مثال تو اوپر گزر چکی اور بالواسطہ کی مثال اس طرح سمجھیے کہ ایک ڈاکو اور لٹیرا کسی شخص کا بچہ اغوا کرنے کے بعد باپ سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرے جسے وہ دل کی خوشی سے کبھی بھی پورا نہ کر سکتا ہو مگر اولاد کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو یہ صورت بھی 'اِکراہ' کہلائے گی۔ علمائے اہل سنت کے ہاں بالاتفاق حالت اکراہ میں کفریہ قول و فعل کے مرتکب کی تکفیر جائز نہیں، بشرطیکہ اس کفریہ قول و فعل پر دل کی رضا اور نیت شامل نہ ہو، بلکہ ایسا مجبوری کی صورت میں ہو اور دل میں کفر کے لیے نفرت بھی پائی جاتی ہو۔ فقہا کے دلائل کا تجزیہ ملاحظہ ہو۔

سورۃ النحل کی آیت 106 اور 107 سے سنی فقہا نے استشہاد کرتے ہوئے "**اکراہ**" کو تکفیر میں مانع / عذر تسلیم کیا ہے۔ مفسرین کے بقول عمار بن یاسر سے مشرکوں نے بزور طاقت مطالبہ کیا کہ وہ نبیؐ کو (معاذ اللہ) گالی دیں اور بتوں کی تعریف کریں۔ حضرت عمار کو مجبوراً کرنا پڑا۔ پھر جب آپؐ نے عمار سے پوچھا: تم اپنے دل کی حالت کیا محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: (ایمان پر) مطمئن ہوں۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا پھر ایسا موقع پیدا ہو تو اسی طرح کرنا"۔[52]

ابو بکر جصاصؒ حنفی فرماتے ہیں:

> "یہ آیت اس مسئلہ میں اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کی گنجائش ہے"۔[53]

ابن بطالؒ سے ابن حجرؒ شافعی نے نقل کیا کہ "علما متفق ہیں کہ جو موت کے ڈر سے کلمۂ کفر کہے جبکہ دل میں ایمان ہے تو تکفیر سے وہ محفوظ ہے اور اس کی (مسلمان) بیوی کا نکاح اس سے ختم نہ ہو گا"۔[54]

مفسر ابن العربی مالکیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> "مجبور (مکرہ) شخص کے لیے کفر باللہ کی گنجائش ہے مگر (اہل علم کی) اس متفقہ شرط کے ساتھ کہ اس کا یہ قول زبان کی حد تک ہو، جبکہ دل ایمان کے ساتھ بھرپور ہو لیکن اگر اس کا دل بھی اس کفر میں زبان کی مدد کر رہا ہو تو پھر وہ کافر کی طرح گنہگار ہے کیونکہ کسی پر زبردستی اس کی ظاہری حالت پر تو ہو سکتی ہے، مگر باطن (دل) پر نہیں"۔[55]

سورۃ آل عمران کی آیت 28 اور 29 سے بھی مذکورہ سنی علما کے استدلال کی تائید ہوتی ہے کہ دشمنوں سے جان بچانے کے لیے اسلام کے خلاف کوئی ایسی کفریہ بات کہنا جس سے کافر دشمن راضی ہو جائیں اور کلمۂ کفر کہنے والے

کی جان بچ جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔ اکراہ کی حالت میں کلمۂ کفر کہنا اگرچہ جائز ہے مگر اس سلسلہ میں بالاتفاق افضل یہی ہے کہ انسان عزیمت کی راہ اختیار کرے یعنی ایمان کی خاطر جان کی بازی لگا دے، مگر کلمۂ کفر نہ کہے جیسا کہ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں: "علما متفق ہیں کہ جسے کفر پر مجبور کیا گیا، وہ اگر موت پسند کرلے تو عند اللہ اس کا ثواب اس شخص سے زیادہ ہے جو ایسی صورت میں رخصت کو اختیار کرتا ہے"۔[56] اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ کے بقول، "افضل / بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان ایسی صورت میں اپنے دین پر قائم رہے خواہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے"۔[57]

اہل سنت کے اکثر علما کا یہی موقف ہے۔ انہوں نے عزیمت کی راہ اختیار کرنے (یعنی کلمۂ کفر کی بجائے موت کو قبول کر لینے) کو افضل قرار دیتے ہوئے اس حدیث سے استشہاد بھی کیا جس میں خباب بن اَرت نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا: "تم سے پہلی امتوں پہ یہ کچھ ہوتا رہا ہے کہ (ایمان والے) آدمی کو پکڑ کر لایا جاتا، زمین کے گڑھے میں پھینکا جاتا، پھر آڑے سے وہ دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ (بعض کے ساتھ یہ ہوتا کہ) ان کے گوشت اور ہڈیوں میں لوہے کی کنگھیاں پھیری جاتیں لیکن یہ اَذیتیں انہیں اپنا دین چھوڑنے پر پھر بھی مجبور نہ کر پاتیں"۔[58]

اس طرح بعض اہل علم نے ایسی صورت میں عزیمت کی راہ اختیار کرنے کی مزید تاکید بھی کی ہے کہ جب عزیمت کی راہ اختیار نہ کرنے پر دین کا مجموعی طور پر کوئی نقصان ہو یا دین کے بارے میں کسی طرح کی غلط فہمی پھیلے، یا ایسا شخص اس طرح کسی آزمائش کا شکار ہو جس کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہو اور خطرہ ہو کہ کہیں وہ غلط فہمی سے رخصت والی صورت کو رخصت کی بجائے اصل مسئلہ ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔ ابن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ کیا عالم دین (مشکل وقت میں) تقیہ (جان بچانے کے لیے جھوٹ / منافقت) کر سکتا ہے؟ تو امام احمدؒ نے کہا: اگر عالم ایسے موقع پر تقیہ کرنے لگیں اور جاہل پہلے ہی حق بات نہ جانتے ہوں تو حق کیسے واضح ہو گا؟!"۔[59]

بعض گناہ کے کام اِکراہ کی صورت میں نہیں کیے جاسکتے اور اگر وہ کیے جائیں تو انہیں قابل معافی قرار نہیں دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کو قتل کی دھمکی دے کر دوسرے کی جان لینے پر مجبور کیا جائے تو یہ جائز نہیں کہ یہ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے کی جان لے، ورنہ یہ اس قتل پر جواب دہ ٹھہرے گا۔ علامہ قرطبی کے بقول: "اہل علم کے ہاں یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جسے دوسرے کی جان لینے پر مجبور کیا جائے کہ تو ایسے شخص کو قطعاً اجازت نہیں کہ اپنی جان بچانے کے لیے وہ کسی اور کو قتل کرے بلکہ اسے ایسی آزمائش کی حالت میں صبر کرنا چاہیے اور اللہ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگنی چاہیے"۔[60]

۴۔ تاویل / اجتہاد کا عذر / مانع

تاویل کا لغوی معنی ہے: لوٹنا، رجوع کرنا، پھرنا، ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جانا۔ اصطلاحی طور پر تاویل کا لفظ یا تو تفسیر کے لیے ہے یعنی کسی غیر واضح، مجمل، مبہم یا مشتبہ چیز کی وضاحت اور یا تفہیم کے لیے۔ زیادہ تر مفسرین اسے اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ تفسیر طبری کا اصل نام یعنی: الجامع فی تاویل آی القرآن بھی تاویل کے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لفظ تاویل کا دوسرا معنی ہے کلام کی روح، مراد و مدعا اور مفہوم و مقصود تک پہنچنے کی

کوشش کرنا، خاص طور پر اس وقت جب اس کلام کی کیی ایک توجیہات ممکن ہوں[61]، اور ایسی صورت میں یہ اجتہاد کی ایک شکل ہے۔ یہ معنی اس کلام کے ظاہر کے موافق ومطابق بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر کے بالکل الٹ بھی۔ متاخرین علما کے ہاں، بقول ابن تیمیہؒ، تاویل کا لفظ یہی مفہوم رکھتا ہے یعنی لفظ کو اس کے حقیقی اور ظاہری معنی کے بجائے کسی اور معنی و مفہوم میں مراد لینا، کسی ایسی دلیل اور قرینہ کی بنیاد پر جو اس کے حقیقی / ظاہری معنی کے سامنے مانع ہو[62]۔

اگر زبان وبیان کے مسلمہ اصولوں، ضابطوں اور نیک نیتی کے ساتھ تاویل کی جائے تو یہ تاویلِ صحیح کی قسم میں شمار ہو گی، ورنہ یہ تاویلِ فاسد کہلائے گی اور ایسی ہی تاویل کو بعض اہل علم تاویل کی بجائے "تحریف" بھی کہتے ہیں۔ البتہ تاویل کی ایسی صورت کو بعض اہل علم نے معتبر تسلیم نہیں کیا جو نہ 'تاویل قریب' کے ضمن میں ہو اور نہ 'تاویل بعید' کے، بلکہ جسے تاویل کی بجاے "تحریف" کہنا ہی مناسب ہو، بالخصوص ایسی صورت میں کہ جب تاویل کرنے والے کے بارے میں ایسے قرائن اور شواہد بھی مل رہے ہوں جو اس کی لادینیت، لامذہبیت، کفر والحاد اور خبثِ باطن کی تائید کر رہے ہوں مثلاً کوئی یہ تاویل کرے کہ نماز، روزے، زکاۃ اور حج سے متعلقہ آیات کا وہ معنی و مفہوم مراد نہیں ہے جو امت مسلمہ شروع سے سمجھتی چلی آ رہی ہے بلکہ اس کا معنی کچھ اور ہے تو ظاہر ہے ایسی تاویل صریح طور پر تاویلِ فاسد کہلائے گی[63]۔

تاویل کے عذر اور مانع تکفیر ہونے کے بارے میں سنی اہل علم کی آراء

اہل سنت کے علماء نے 'تاویل' کو تکفیر کا عذر اور مانع (رکاوٹ) تسلیم کیا ہے، ابن حجر شافعیؒ کے بقول علماء کے ہاں ہر تاویل کرنے والا معذور ہے اور تاویل کی وجہ سے وہ گنہگار نہیں کہلائے گا بشرطیکہ اس کی تاویل کی لغت عرب میں گنجایش ہو اور علمی دنیا میں اس کی بہر حال کوی نہ کوی توجیہ (گنجایش) موجود ہو[64]۔ اسی طرح علماے اہل سنت نے تاویل کے سلسلہ میں کافی توسع اختیار کیا، اس کی کچھ مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ علامہ ابن عابدین نے تاویل کے باب میں، "جہاں شک پیدا ہو جائے وہاں ارتداد کا حکم نہیں لگایا جاے گا،" کے عنوان کے تحت علماے حنفیہ کی وسعت ظرفی کو مختلف فقہا کے اقوال کے ساتھ یوں واضح کیا:

"طحاویؒ نے ہمارے اصحاب (حنفیہ) سے نقل کیا کہ مسلمان ایمان (اسلام) سے صرف اس چیز کے انکار کی بنیاد پر خارج ہو سکتا ہے جس کی بنیاد پر وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔ پھر اگر کسی کا یقین ہو جائے کہ وہ ارتداد کا مرتکب ہو چکا تو اس کی تکفیر / ارتداد درست ہے، جس کے ارتداد پر شک ہو جائے اس کی نہیں، کیونکہ اس کا اسلام ثابت ہے جو شک کی بنیاد پر زایل نہیں ہوتا، نیز اسلام تو بلند ہونے کے لیے ہے، اس لیے ایک عالم دین کو چاہیے کہ جب اس کی طرف اس طرح کا مسلہ پیش ہو تو وہ اہل اسلام پر تکفیر کا حکم (فتویٰ) لگانے میں جلدی نہ کرے۔۔۔ اور "فتاویٰ الصغریٰ" میں ہے کہ کفر تو بہت بڑی چیز ہے اس لیے میں کسی مسلمان (مومن) کی تکفیر نہیں کر سکتا جبکہ تکفیر سے روکنے کے سلسلہ میں ایک روایت (توجیہ) بھی موجود ہے۔ اسی طرح "خلاصہ" وغیرہ (کتابوں) میں نقل ہے کہ کسی مسئلہ میں بعض توجیہات کسی کی تکفیر کو اگر واجب کر رہی ہوں اور دوسری طرف کوی ایک توجیہ بھی ایسی ہو جو اس تکفیر سے بچا رہی ہو تو ایسی صورت میں مفتی حسن ظن سے کام لیتے ہوے اس (اکیلی) توجیہ کو اختیار کرے جو

اسے تکفیر سے بچا رہی ہے۔۔۔ اور "**التتارخانية**" میں ہے کہ جہاں کوئی احتمال پیدا ہو جائے وہاں تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ "تکفیر "عقوبت اور جنایت دونوں میں انتہائی درجہ ہے اور جہاں احتمال پیدا ہو جائے وہاں "انتہائی درجہ" کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔۔۔ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا ٹھیک نہیں، بشرطیکہ اس کی رائے / موقف کی کوئی مناسب توجیہ ممکن ہو، یا اس پر اختلاف رائے موجود ہو، خواہ کسی ضعیف توجیہ / روایت ہی کی بنیاد پر ایسا ہو۔ اس لیے تکفیر سے متعلقہ اکثر مذکورہ الفاظ میں تکفیر کا فتویٰ / حکم نہیں دیا جائے گا۔ میں نے اپنے تئیں لازم کر رکھا کہ میں اس سلسلہ میں کوئی ایسا فتویٰ یقیناً نہیں دوں گا"۔ [65]

۲۔ امام شافعیؒ بیان فرماتے ہیں:

"سلف / صحابہ میں سے جو قابل اتباع ہیں، اور تابعین وغیرہ میں سے بھی کسی کے بارے ہمیں علم نہیں کہ اس نے تاویل کرنے والے کی گواہی کو رد کیا ہو، اگرچہ وہ ایسے شخص کو (جو غلط تاویل کرتا ہے)، خطاکار اور گمراہ کہتے تھے اور وہ دیکھ رہے ہوتے تھے کہ اس شخص نے (ازراہ تاویل) حرام کو حلال سمجھ لیا ہے مگر پھر بھی وہ اس کی گواہی کو رد نہیں کرتے تھے بشرطیکہ اس کی تاویل ایسی ہو جس کی گنجائش اور احتمال ہو، خواہ وہ اس تاویل کے ساتھ کسی کا خون اور مال حلال کر رہا ہو اور خواہ وہ اس بنیاد پر بڑی عجیب (افراط و تفریط پر مبنی) بات کہہ رہا ہو"۔ [66]

تاویل کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر چونکہ ممکن نہیں، اس لیے امام شافعیؒ یہ فرما رہے ہیں کہ تاویل کرنے والے کی گواہی بھی مردود نہیں جبکہ مسلمانوں کے معاملات میں کافر کی گواہی بیشتر صورتوں میں ناقابل قبول ہے، خواہ اس کی تاویل سے حرام حلال اور حلال حرام ہی کیوں نہ کیا جا رہا ہو البتہ کسی نہ کسی درجہ میں اس تاویل کا احتمال ممکن بھی ہونا چاہیے۔

۳۔ امام ابن تیمیہؒ بیان فرماتے ہیں:

"اہل کوفہ میں سے علم و عمل کے لحاظ سے امت کے بعض فاضل بزرگوں کی رائے ہے کہ شراب صرف وہ ہے جو انگور سے بنتی ہے اور انگور اور کھجور کے علاوہ چیزوں سے بنے ہوئے مشروب کی صرف اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ پیدا کر دے (اس سے کم مقدار میں اسے پینا حرام نہیں ہے) اور ظاہر ہے جسے وہ حلال سمجھتے ہیں، اسے پیتے بھی ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں پر یہ حکم نہیں کہ یہ بھی اس (تکفیر اور جہنم کی) وعید میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ ان کی رائے تاویل پر مبنی ہونے کے وجہ سے ان کے حق میں عذر / مانع ہے۔ اسی طرح کچھ اور موانع بھی ان پر ایسا حکم لگانے سے روکتے ہیں۔۔۔

اسی طرح حدیثِ نبوی ہے کہ 'جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے خلاف لڑیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں'۔ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ مومنوں کے ساتھ ناحق لڑنا حرام ہے، جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شرکت کرنے والے جہنم میں نہیں جائیں گے کیونکہ ان لڑائیوں میں ان کے پیش نظر عذر اور تاویل تھی"۔ [67]

۴۔ امام ابن قیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ ”جو شخص کسی فرض یا واجب چیز کا جہالت یا تاویل کی بنا انکار کرے، اسے معذور سمجھا جائے گا اور اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی“۔[68]

تاویل کرنے والے فرقے اور ان کے بارے میں علمائے اہل سنت کی رائے

مسلمانوں میں جتنے گروہ پیدا ہوئے، اکثر و بیشتر کا دار و مدار زیادہ تر تاویل ہی پر ہے، یعنی مسلمانوں کے اصولی اور فقہی (فروعی) اختلافات کے پیچھے زیادہ تر تاویل ہی کار فرما ہے کیونکہ قرآن و سنت کی قانونی و استنادی حیثیت تو قریب قریب سبھی فرقے مانتے رہے ہیں، البتہ ان کے فہم اور مراد و مدعا کے تعین کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے۔ خود کسی ایک فرقے ہی کو لے لیجیے، ان میں بھی تاویل کی بنیاد پر بیسیوں اختلافات مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی بڑی تعداد تکفیر کے سلسلہ میں تاویل کو ایک مانع وعذر کے طور پر ہمیشہ تسلیم کرتی رہی ہے۔ چنانچہ مختلف گمراہ فرقوں کو محتاط اہل علم نے مجموعی طور پر کبھی کافر نہیں کہا، ہاں البتہ انہیں گمراہ، یا خواہش پرست (أَہْلُ الْأَہْوَائِ) یا اہل بدعت، یا اہل باطل وغیرہ ضرور کہا ہے۔ خوارج کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا تھا، اور جن صحابہ کرام نے ان کا سامنا کیا، انہوں نے انہیں کافر قرار نہیں دیا تھا۔ اسی طرح قدریہ فرقہ کا ظہور بھی صحابہ کرامe کے اخیر زمانہ میں ہو چکا تھا، اور انہیں بھی ان کی تاویلات کی وجہ سے کافر نہیں کہا جاتا تھا۔ یہی صورت حال بعد میں شیعہ، معتزلہ، مرجئہ، وغیرہ دیگر فرقوں کے ساتھ تھی کہ علمائے اہل سنت مجموعی طور پر ان کی تکفیر نہیں کرتے تھے، البتہ بعض انفرادی اور جزوی مثالیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

علمائے اہل سنت میں امام احمد بن حنبلؒ کو بلاشبہ ایک نمایاں مقام حاصل ہے، آپ کو اہل سنت کا نمائندہ اور سنت کا شارح و محافظ قرار دیا جاتا ہے۔ تاویل کرنے والے فرقوں کے بارے میں آپ بڑے وسیع الظرف تھے، انہیں مسلمان ہی سمجھتے تھے، خواہ ان کی تاویل کس قدر گمراہی پر مبنی ہی کیوں نہ تھی اور ان کے پیچھے آپ نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ ان کے ساتھ میل ملاپ بھی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے افکار پر پورے دلائل کے ساتھ رد بھی کرتے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ جنہوں نے یقیناً بڑی گہرائی کے ساتھ امام احمدؒ کے افکار کا مطالعہ کیا ہے، وہ امام احمدؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”سلف صالحین (صحابہؓ) اور ائمہ کرام متفق ہیں کہ مرجئہ اور تفضیلی شیعہ اور ان جیسے دیگر فرقوں کی تکفیر درست نہیں۔ امام احمدؒ سے بھی اس سلسلہ میں ایک ہی روایت ملتی ہے کہ ایسے لوگوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ البتہ ان کے اصحاب میں بعض لوگوں نے امام احمدؒ اور ان کے مذہب کے برخلاف تمام اہل بدعت کو کافر قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو ایسے لوگوں کو ابدی جہنمی بھی کہا ہے حالانکہ یہ امام احمدؒ کے مذہب و موقف کے مطابق بھی اور شریعت کے مطابق بھی بالکل غلط رویہ ہے۔ حنابلہ میں بعض ایسے (اہل علم) بھی ہیں جو انہیں عام گنہگار قرار دیتے ہوئے کسی کی تکفیر کے بھی قائل نہیں۔ ان کے بقول جس طرح اہل سنت علما کا اصول ہے کہ گناہ تکفیر کو مستلزم نہیں، اسی طرح بدعتی کی بھی تکفیر درست نہیں“[69]۔

نیز لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے 'جہمیہ' فرقہ کے سرکردہ لوگوں کی کبھی تکفیر نہیں کی اور نہ ہی کسی کے بتانے پر کسی 'جہمی' کی تکفیر کی اور نہ ہی ایسے شخص کی کبھی تکفیر کی جس نے 'جہمیہ' کے بدعت پر مبنی بعض اقوال کو اختیار کیا بلکہ

آپ نے تو ایسے 'جہمی' لوگوں کے پیچھے بھی نمازیں پڑھی ہیں جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتے تھے اور جنہوں نے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اور ان لوگوں کو سخت سزائیں دیں جو ان کی تائید نہیں کرتے تھے لیکن امام احمدؒ نے ان کی اور نہ ہی ان جیسے دوسرے لوگوں کی تکفیر کی، بلکہ آپ ان کے مومن ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، ان کی امامت کو درست سمجھتے تھے، ان کے حق میں دعا بھی کرتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو صحیح سمجھتے تھے، اسی طرح ان کی قیادت میں حج اور جہاد کرنے کے بھی قائل تھے اور ان 'جہمیہ' کی طرح کے حاکموں کے خلاف خروج کو بھی درست قرار نہیں دیتے۔ نیز آپ ان کے قولِ باطل کی تردید کرتے تھے جو بہت بڑا کفر ہے، اگرچہ 'جہمیہ' خود اسے کفر نہیں سمجھتے تھے۔ امام احمدؒ 'جہمیہ' کی تردید میں حتی الممکن (قلمی اور زبانی) جہاد بھی کرتے رہے، چنانچہ اس طرح امام احمدؒ نے ان دونوں چیزوں کو صحیح اعتدال کے ساتھ بیک وقت جمع کر دکھایا یعنی ایک طرف دین اور سنت نبویہ کے غلبہ کے لیے اللہ اور نبی ﷺ کی اطاعت کی اور دوسری طرف ملحد قسم کے 'جہمیہ' لوگوں کی بدعات کی تردید کی اور ساتھ ہی حکمرانوں اور امت کے مومنوں پر جو حقوق ہیں، ان کی بھی رعایت اور پاسداری کی۔ اگرچہ یہ 'جہمی' لوگ جاہل، بدعتی، ظالم اور فاسق تھے۔[70]

امام ابن تیمیہؒ جنہیں تکفیر میں متشدد تصور کیا جاتا ہے، انہوں نے بھی اہل تاویل کو ان کی تاویل کا پورا پورا فائدہ دینے کی رائے اختیار کی ہے۔ آپ نے بھی امام احمدؒ کی پیروی کرتے ہوئے مختلف تاویل کرنے والے فرقوں کو کافر قرار نہیں دیا، تاہم جس کسی نے غلط اور فاسد تاویل کی بنیاد پر کوئی شاذ یا غلط رائے اختیار کی، اس کی آپؒ نے پرزور تردید ضرور کی اور اس کی رائے / موقف کو قرآن، سنت اور اجماع صحابہ کے خلاف قرار دیا۔ آئندہ سطور میں اس حوالے سے آپؒ کی بعض آراء اور بیانات نقل کیے جارہے ہیں۔

وہ حدیث جس میں ہے کہ امت کے 73 فرقے ہوں گے، ایک کے علاوہ باقی سب جہنمی ہیں، کی تشریح کرتے ہوئے آپؒ نے یہ نقطہ نظر اختیار کیا ہے کہ یہ فرقے کافر نہیں ہیں اور ان کا جہنم میں جانے کی وعید سے یہ مراد نہیں کہ یہ ہمیشہ کے لیے کافروں کی طرح جہنم میں جائیں گے، بلکہ یہ مراد ہے کہ یہ اپنی گمراہی اور ضلالت کی وجہ سے وقتی طور پر جہنم جائیں گے، پھر جہنم سے نکال کر جنت میں لے جائے جائیں گے۔ چنانچہ آپؒ بیان فرماتے ہیں:

"جس شخص نے ان میں سے بہتر (۷۲) فرقوں کو کافر قرار دیا، اس نے قرآن، سنت اور صحابہ و تابعین کے اجماع کی مخالفت کی، جبکہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی بھی نہیں ہے بلکہ ابن حزم وغیرہ نے تو اسے ضعیف بھی کہا ہے، تاہم بعض اہل علم اسے حسن یا 'صحیح' کہتے ہیں جیسا کہ امام حاکم وغیرہ اور اہل سنن نے بھی اسے روایت کیا اور اس کی کئی اسناد ہیں۔ یہ حدیث ان آیات سے زیادہ عظیم نہیں جن میں (مومنوں کو بعض گناہوں پر جہنم میں ڈالنے کی) اسی طرح وعید سنائی گئی ہے"۔[71]

مطلب یہ کہ جب آیات قرآنیہ میں بھی مومنوں کے لیے بعض گناہوں پر جہنم کی سزا مذکور ہے، اور یہی ذکر فرقوں والی روایت میں ہے تو جس طرح ان آیات کا یہ معنی نہیں کہ مومن ہمیشہ کے لیے جہنم جائے گا، ایسے ہی اس حدیث کا بھی یہ مطلب نہیں کہ مختلف فرقوں کے لوگ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں۔ البتہ اس کا معاملہ مختلف ہے جو ہر لحاظ سے کفر وارتداد کی حدود میں داخل ہو جائے اور ایمان کے دائرہ سے نکل جائے، جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ

ایک اور جگہ وضاحت کرتے ہیں: "ان بہتر (۷۲) فرقوں سے اگرچہ کوئی فرقہ ایسا نہیں جس میں ایک خلق کثیر ایسی موجود نہ ہو جو کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے البتہ ان میں گمراہی اور گناہ موجود ہے جس پر وہ وعید کے مستحق بھی ہیں جیسا کہ مومنوں میں گنہگار وعید کے مستحق ہوتے ہیں اور پیغمبر علیہ السلام نے انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا بلکہ انہیں امت ہی میں شمار کیا، نیز یہ بھی نہیں کہا کہ وہ دائمی جہنمی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا قاعدہ اور اصول ہے جس کی رعایت رکھی جانی چاہیے۔ سنتِ رسولؐ کے ساتھ نسبت رکھنے والے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جن میں رافضیوں اور خارجیوں کی سی بدعتیں پائی جاتی ہیں اور صحابہ کرام نے اور حضرت علی وغیرہ نے بھی ان خارجیوں کی تکفیر نہیں کی تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کی تھی"۔[72]

آپ کے مجموع الفتاویٰ ہی میں ہے کہ جس نے یہ قرار دیا کہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں سے ہر فرقہ ایسے کفر کا مرتکب ہے جو ملت اسلام سے خارج کرتا ہے تو اس نے قرآن، سنت اور اجماعِ صحابہ کی مخالفت کی بلکہ اس نے تو ائمہ اَربعہ اور دیگر ائمہ کی بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔[73]

اسی طرح آپ نے مختلف فرقوں کے بارے یہی موقف واضح کیا اور ان میں بطورِ مثال معتزلہ، کلابیہ، کرامیہ، تفضیلی شیعہ وغیرہ کا نام لیتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ

((فهؤلاء اهل ضلال و جهل ليسوا خارجين عن امة محمدﷺ بل هم من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا))

"یہ گمراہ اور جاہل تو ہیں مگر یہ امت محمدیہؐ سے خارج نہیں ہیں، بلکہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنا دین ٹکڑوں میں تقسیم کر چکے اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے"[74]۔

"تاویل" کے سلسلہ میں بعض اوقات یہ جاننا بہت مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے کہ کون سی تاویل قابل قبول نہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے مسئلہ میں انفرادی رائے قائم کرنے کی بجائے جید علماء اور اعلیٰ عدلیہ کو مامور کیا جائے کہ وہ تاویل کرنے والے کی تاویل کا بھی دلائل کی روشنی میں پوری طرح سنجیدگی سے جائزہ لیں اور ان حالات کو بھی دیکھنے کی کوشش کریں جن میں تاویل کرنے والے تاویل کر رہے ہیں۔ اور اگر کمزور سے کمزور ترین درجہ میں بھی متہم شخص کے لیے تکفیر سے بچاؤ کی کوئی گنجایش نکل سکتی ہے تو ضرور اسے اس گنجایش کا فایدہ دیا جائے۔

خلاصہ ونتائج بحث

1۔ کفر اگرچہ ایمان کی ضد ہے لیکن کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں پیغمبر علیہ السلام نے سخت احتیاط کی تلقین کی ہے اور اس سلسلہ میں فقہائے اہل سنت نے جہالت، تاویل، غلطی (خطاونسیان) اور جبر واکراہ کو تکفیر میں مانع / عذر تسلیم کیا ہے۔

2۔ ضروری نہیں کہ عمل کفر کے ارتکاب کی وجہ سے ایک مسلمان کافر بھی ہو چکا ہو۔ مثلاً ایک شخص دین کے کسی ایسے یقینی اور قطعی حکم کی صاف خلاف ورزی کرتا ہے جس کی خلاف ورزی متفقہ طور پر کفر ہے، تو پھر بھی قطعاً یہ ضروری نہیں کہ وہ کافر ہو گیا ہے، بلکہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں جہالت، لاعلمی، تاویل یا غلطی تو اس میں کارفرما نہیں۔ یہ امکان بھی ہے کہ اکراہ / جبر کے سبب اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہو۔ اور ان چاروں صورتوں یعنی جہالت،

تاویل، غلطی (خطاو نسیان) اور جبر و اکراہ میں کسی شخص پر کفریہ کام کے ارتکاب کے باوجود کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ان چار موانع تکفیر کی بحث سے واضح ہوا۔ اسی لیے سنی علما کے نزدیک عمل کفر اور کافر میں فرق ہے۔ بعض لوگ اس نکتے کو سمجھ نہیں پاتے اور نتیجتاً وہ ہر ایسے شخص کو فوراً کافر کہہ دیتے ہیں جس نے کفریہ قول یا فعل کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ رویہ سراسر غلط ہے۔ مذکورہ نکتے کو بعض اہل علم نے "تکفیر معین" اور "تکفیر مطلق" کی اصطلاحات سے بھی بیان کیا ہے۔ تکفیر معین کا مطلب ہے متعین شخص کی طرف اشارہ کرکے یا اسے مخاطب کرتے ہوئے اس پر کفر کا حکم لگانا۔ جب کہ "تکفیر مطلق" کا مطلب کسی کفریہ عمل پر کسی کو متعین کیے بغیر عمومی تکفیر کرنا ہے۔ "تکفیر مطلق" کے مقابلے میں "تکفیر معین" ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص کفر کا ارتکاب کرنے کے باوجود ضروری نہیں کہ کافر بھی ہو چکا ہو۔ کیونکہ بہر حال یہ امکان موجود ہے کہ اس نے تاویل، یا جہالت یا غلطی یا اکراہ کی صورت میں اس کفر کا ارتکاب کیا ہو۔ لہٰذا اگر وہ کسی ایسے عذر کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا ہے جس کا اعتبار ممکن ہے تو دریں صورت اسے کافر قرار دینا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔

3۔ کسی شخص کی تکفیر (کفر کا حکم یا فتوٰی لگانے) سے پہلے اس پر "اتمامِ حجت" قایم کیا جانا واجب ہے، تاکہ جس شخص کی تکفیر کی جا رہی ہے، اسے وضاحت اور توبہ کا موقع مل سکے۔ اگر جہالت اور لاعلمی سے کفر کا مرتکب ہوا ہے تو ظاہر ہے وہ فوراً توبہ کر لے گا۔ اگر کوئی غلط تاویل ہے تو اس سلسلہ میں اس کے ذہن میں پائے جانے والے شبہات کا احسن طریقہ سے ازالہ کرنے کی طرف متوجہ ہوا جائے گا۔ اگر غلطی سے ایسا کیا ہے تو وہ غلطی واضح کی جائے۔ اگر اکراہ کی صورت میں کفر کا ارتکاب کیا تو یہ عذر بھی قبول کیا جائے گا۔

4۔ ہمارے ہاں ایک عجیب رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ فریق مخالف کے اختلافی / اجتہادی موقف کو برداشت نہیں کیا جاتا اور اسے احسن طریقے سے تبلیغ کرنے یا دینی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی بجائے الٹا اسے دین سے باغی بنانے اور متنفر کرنے کا ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔ اکثر ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں تکفیر کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ محض سیاسی، خاندانی اور قبایلی رقابتیں یا مادی مفادات اس کے پس پردہ کارفرما ہوتے ہیں اور مذہب کا غلط استعمال کرتے ہوے کسی بھی نیک صالح مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ اس پر طرفہ تماشا یہ کہ جس پر الزام ہے، اسے وضاحت کا موقع دینا گوارا نہیں، اور نہ اس پر لگے "الزام" کی صحیح تسلی بخش تفتیشی کارروائی کی جاتی ہے، بلکہ اس سے پہلے ہی قانون اپنے ہاتھ میں لے کر متہم شخص کے قتل کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ کسی شخص پر کافر کا حکم لگا دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اب جو چاہے اسے سزا دینے یا قتل کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ بلکہ اگر کوئی شخص بالفرض فقہی و قانونی طور پر کافر قرار دیا جاتا ہے یا دوسرے لفظوں میں اس پر "مرتد" کا الزام لگتا ہے تو ایسی صورت میں اس شخص سے حکومتِ وقت (ریاست) توبہ / نظر ثانی / رجوع کا مطالبہ کرے گی اور اسے اپنی صفائی یا موقف پیش کرنے کے لیے پوری مہلت بھی دے گی۔ اگر بالفرض اس کی سزا ہے تو بھی ریاست ہی اس کا اختیار رکھتی ہے۔ ریاست کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کے لیے قانون ہاتھ میں لینا اور ایسے شخص کو قتل کرنا جس کے کفر کا حکم اور فتویٰ اگرچہ علماء کی طرف سے متفقہ طور پر دیا جا چکا ہو، درست نہیں۔ اگر

انفرادی طور پر کوئی قانون ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے تو وہ خوارج کی راہ پر ہے جو ایک طرف تو ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے اور دوسری طرف جہاں موقع پاتے، ایسے مسلمانوں کو قتل بھی کرتے جنہیں وہ کافر سمجھتے تھے۔ یہ رویہ علمی اور قانونی دونوں دائروں میں قابل مؤاخذہ ہے۔

5۔ اگر کسی کلمہ گو مسلمان شخص سے کفر کا اظہار ہو تو اس کی فوراً یہ کہہ کر تکفیر نہیں کی جا سکتی کہ چونکہ کفر ظاہر ہوا ہے اور ظاہری حالت اس کی تکفیر کا مطالبہ کرتی ہے، بلکہ حسن ظن کا فائدہ دیتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، اللہ کو، نبی کو، اور قرآن کو ماننے والا ہے، یہ فرض کرنا ہو گا کہ غلطی، جہالت، اکراہ یا تاویل وغیرہ کی وجہ سے کفر کا اظہار ہوا ہو گا۔ یعنی اس کے کفر پر ہمیں ابھی شک ہے یقین نہیں ہے، جب کہ دوسری طرف اس کے کلمہ گو ہونے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہونے پر ہمیں (اس کے کفر ظاہر ہونے سے) پہلے سے یقین ہے۔ لہٰذا جہاں یقین اور شک کا ٹکراؤ ہو تو وہاں یقین کو شک پر ترجیح ہے اور یہ تو پھر بھی تکفیر کا مسئلہ ہے جو پہلے ہی بہت احتیاط کا متقاضی ہے، لہٰذا یہاں اس پہلو کو ترجیح دی جائے گی جو اسلام اور امت کے ساتھ جوڑتا ہو، نہ کہ اس پہلو کو جو اسلام اور امت سے کاٹنے والا ہو۔ اس مسئلہ میں فقہائے اہل سنت کا مجموعی رجحان بھی اسی طرف ہے۔

6۔ اگر کسی شخص کی تکفیر کا مسئلہ پیدا ہو تو اہل علم کو اجتماعی و مشاورتی انداز میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا گہرائی سے جائزہ لے کر تکفیر یا عدم تکفیر کے بارے میں ایک متفقہ مگر مبنی بر اعتدال رائے قائم کرنی چاہیے اور موانع تکفیر کی بنیاد پر اسے شک کا پورا فایدہ دیا جانا چاہیے، یعنی اگر جہالت، خطا، نسیان، جبر و اکراہ اور تاویل وغیرہ میں سے کسی بھی عذر کا کمزور سے کمزور سہارا / فایدہ بھی اسے دیا جا سکتا ہے، تو وہ ضرور دیا جانا چاہیے اور ایک جاہل و انتہا پسند معاشرے کے معروضی / زمینی حقایق کو بھی پوری طرح پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ورنہ جلد بازی اور انفرادی آراء کے اظہار سے انتشار اور بدامنی ہو گی۔ افسوس کہ ہمارے معاشرے میں گزشتہ کئی دہائیوں سے اس کا چلن عام ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

[1] الحدید، 20:57

Al-Ḥadīd, 57:20.

[2] القصص، 48:28۔

Al-Qaṣaṣ,28: 48.

[3] حسین بن محمد، **المفردات** (لبنان: دار المعرفہ، س ن)، ۴۳۴۔

Ḥūsāyn bin Mūḥammad, āl mafrdāt (labnān: dār āl maʿrifaẗ, nd), 434

[4] محمد الحصکفی، **الدر المختار** (بیروت: دار الفکر، طبع 1386)، 4:223۔

Mūḥammad āl Ḥaskafy, āl dūr āl Mūḫtār (berūwt: dār āl fikr,1386), 4/223

[5] محمد امین، ابن عابدین، **رد المحتار** (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر، طبع 2000)، ۴:۲۲۲ تا ۲۳۰

Ibn e Āabdyn, Mūḥammad Āmin, Rad āl Mūḥtār (berwt: dār āl Filr, 2000), 4/222-230

[66] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (ریاض: دار السلام، 1998)، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ، حدیث، ۶۱۰۵۔

Mūḥammad bin Ismāʿyl āl būẖāri, āl Ğāmiʿ āl ṣaḥiḥ (Riāḍ: dār āl Salām, 1998), Kitāb āl ādab, bāb man kafar āẖāhū, 6105

[7] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب ماینھی من السباب واللعن، حدیث۶۰۴۵۔

Mūḥammad bin Ismāʿyl āl būẖāri, āl Ğāmiʿ āl ṣaḥiḥ, Kitāb āl ādab, bāb mā Yānhāh min āl sabābi wa āl laʿn, 6045

[8] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ، ح 6104۔

Mūḥammad bin Ismāʿyl āl būẖāri, āl Ğāmiʿ āl ṣaḥiḥ, Kitāb āl ādab, bāb man kafar āẖāhū, 6104

[9] سلیمان بن اشعث سجستانی، ابوداؤد، **السنن** (ریاض: دار السلام، طبع 1999)، کتاب الادب، باب فی النھی عن البغی۔

Sūlaimān bin āšʿaṯ Sağastāni, āl Maʿrūwf ba abw dāwūwd, āl Sūnan (Riāḍ: dār āl salām, 1999), Kitāb āl ādab, bāb fi āl nahi ʿan āl baġā.

[10] یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبر، **التمہید** (قاھرہ: مؤسسۃ القرطبہ، طبع 1406)، ج 17، ص 21۔

Yūwsūf bin ʿabdūllah, Ibn e ʿabd āl bar, āl Tamhiyed (Cairo: Muwsisah āl Qarṭba,1406), 17/21

[11] ابراھیم بن موسیٰ شاطبی، **الموافقات** (قاھرہ: دار ابن عفان، طبع 1997)، ج ۲، ص ۲۷۱، ۲۷۲۔

Ibrāhiym bin Mūwsā āl Šāṭbi, āl Mawāfqāt (Cairo: dār ibn e ʿafān,1997), 2/272, 273

[12] النساء: ۹۴

āl Nisāʾ: 94

[13] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النساء۔

Mūḥammad bin Ismāʿyl āl būẖāri, āl Ğāmiʿ āl ṣaḥiḥ, Kitāb āl Tafsir, Tafsir Sūwraẗ āl Nisāʾ

[14] مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحیح** (ریاض: دار السلام، طبع 1997)، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللہ۔

Mūslim bin Ḥağāğ, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ (Riāḍ: dār āl Salām,1997), Kitāb āl Iymān, bāb Taḥriym qatl e āl Kāfr baʿd qawlūhū lā ilaha illallah

[15] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الدیات، باب قولہ: ومن یقتل مومنا متعمدا

Mūḥammad bin Ismāʿyl āl būẖāri, āl Ğāmiʿ āl ṣaḥiḥ, Kitāb āl diyāt, bāb qawlūhū: wa man Yqtūl mūwminā Mūtʿamidā

[16] احمد بن شعیب، نسائی، **السنن** (ریاض: دار السلام، طبع 1999)، کتاب الایمان، باب صفۃ المسلم۔

Āḥmād bىn Šūʿaib, Nasāi, āl Sūnan (Riāḍ: dār āl Salām,1999), Kitāb āl iymān, bāb Sūfaẗ āl Mūslim-

[17] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب فان تابوا، حدیث ۲۵۔

Mūḥammad bin Ismāʿyl āl būẖāri, āl Ǧāmiʿ āl, Kitāb āl iymān, bāb fā in tābūw, 25

[18] اگرچہ اس مسئلہ میں اہل علم کی یہ رائے ہے کہ ایمانیات (اصول) میں ان موانع کو بطور عذر قبول نہیں کیا جا سکتا، البتہ فروع (فقہ وغیرہ) میں یہ عذر قابل قبول ہے، لیکن جمہور علماے اہل سنت نے عقائد اور فقہی احکام یعنی اصول و فروع دونوں میں ان موانع کے عذر ہونے کا اصولاً اعتبار کیا ہے، تاہم تفصیلات میں اختلاف راے پایا جاتا ہے۔

[19] علماے اہل سنت نے بالعموم ارتداد (رِدّۃ) اور اهلیت (عوارض الأهلیۃ) کی بحث میں مختلف موانع / اعذار پر بات کی ہے جن میں سے مذکورہ بالا چار اہم اور بنیادی نوعیت کے موانع کی تفصیلات یہاں دی جارہی ہیں، اگرچہ ان چار موانع کے علاوہ کچھ اور موانع بھی اس سلسلہ میں فقہ کی کتابوں میں زیر بحث آے ہیں، مثلاً اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جاے تو اس کے ارتداد کا حکم لگانے سے پہلے یہ بھی دیکھا جاے گا کہ وہ بالغ اور عاقل ہو، ورنہ اس پر ارتداد کے احکام جمہور فقہا کے نزدیک عاید نہیں ہوں گے، مثلاً دیکھیے: ابو بکر بن مسعود، کاسانی، **البدائع والصنائع** (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲)، ج ۷، ص ۱۳۴۔

Ābūw Bakr bin Masʿūwd, Kāsāny, Badiʿ āl Saniʿ (Berūwt: Dār āl Kitāb āl ʿArabi, 1982), 7/134

[20] احمد حموی حنفی، **غمز عیون البصائر** (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1985)، ج2، ص139

Āhmad Ḥamawy, Ḥanafi, Ġamz ʿūwūn āl Bṣāir (Berūwt: Dār āl Kitāb ālʿlmiyyẗ,1985), 2/139

[21] الاسراء:۱۵

Āl āsrāʾ: 15

[22] ابراہیم بن موسی، شاطبی، **الموافقات** (بیروت: دار ابن عفان، 1997ء)، ج1، ص4

Ibrāhym bin Mūwwsā, Šāṭbi, Āl Mawāfqāt (berūwt: Dār ibn eʿafān, 1997), 1/4

[23] محمد بن بہادر زرکشي، **المنثور فی القواعد** (کویت: وزارت الاوقاف والشئوون الاسلامیة، طبع، 1405)، ج ۲، ص ۱۳

Mūḥammad bin Bahādūr Zarkašy, āl Manṯūwr fi āl qawāʿid (Kuwait: Wazārat āl Āwqāf wa āl šūwwn āl islāmiyyaẗ, 1405), 2/13

[24] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث۳۴۷۸

Mūḥammad bin Ismāʿil āl Bẖāri, āl Ǧāmʿ āl Saḥiḥ, Kitāb āl Ānbiyaʾ, Hadith 3478

[25] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیا، حدیث۳۴۷۸

Mūḥammad bin Ismāʿil āl Bẖāri, āl Ǧāmʿ āl Saḥiḥ, Kitāb āl Ānbiyaʾ, Hadith 3478

[26] احمد، ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی** (مدینہ: مجمع فهد، طبع 1995)، ج ۱۱، ص ۴۰۹، ۴۱۰۔

Āḥmad ibn ʿabdūl Ḥaliym, Ibn e Taimiyyaẗ, Mağmūwʿ āl Fatāwā (Madinaẗ: Majmaʿ āl Fahad, 1995), 11/409.410

27 ابن عبد البر، **التمہید** (بیروت: دار الکتاب العربی، 1985ء)، ج۱۸، ص۴۶۔

Ibn ʿabdūl Bar. āl Tamhiyd (Beirūt: Dār āl Kitāb ālʿarabi, 1985), 18/46

28 محمد بن ابی بکر، ابن قیم، **مدارج السالکین** (بیروت، دار الکتاب العربی، طبع 1973)، ج۱، ص۳۳۸۔

Mūḥammad bin Ābi Bakr, ibn e Qayyam, Madāriğ āl Sālikiyn (Berūwt: Dār āl Kitāb ālʿarbi, 1973), 1/338

29 عبد اللہ بن مسلم، ابن قتیبہ، **تاویل مختلف الحدیث** (بیروت، مکتب اسلامی، طبع 1999)، ص۱۳۶۔

ʿĀbdūllāh, bin Mūslim, ibn e Qūtaybaẗ, Tāwiyl Mūẖtalaf āl Ḥadiṯ (Berūwt: Maktab Islām, 1999), 134

30 محمد بن یزید، ابن ماجہ، **السنن** (ریاض: دار السلام، طبع 2002)، کتاب الفتن، حدیث ۴۰۴۹

Mūḥammad bin Yaziyd, ibn e Māğaẗ, āl Sūnan (Riāḍ: Dār āl Slām, 2002), Kitāb āl Fitan, Hadith 4049

31 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج۱۱، ص۴۰۷۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 11/407

32 عبد اللہ بن احمد، **اثبات صفۃ العلو**، (کویت، الدار السلفیہ، طبع 1406)، ص۱۲۴۔

ʿabdūllah bin Āḥmad, Iṯbāt Ṣifẗ ālʿūlūw (Berūwt: āl Dār āl Salfiyaẗ, 1406), 124

33 محمد جمال الدین قاسمی، **محاسن التاویل** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع 1418)، ج۵، ص۱۳۰۷۔

Mūḥammad Ğamāl āl diyn Qāsmi, Maḥāsin āl Tāwiyl (Berūwt: Dār āl Kūtūb ālʿalmiyyah, 1418), 5/1307

34 علی ابن احمد ابن حزم اندلسی، **الاحکام** (قاھرہ: دار الحدیث، طبع 1404)، ج۱، ص۱۳۳۔

ʿAli ibn e Āḥmad, ibn e Ḥazam, āl Āḥkām (Cairo: dār āl Ḥdiṯ, 1404), 1/133

35 یحییٰ بن شرف النووی، **المنہاج** (بیروت: احیاء التراث، طبع 1392)، ج۱ ص۱۲۸۔

Yahya bin Šarf, āl Nawawi, āl Minhāğ (Berūwt: Dār Āḥyāʾ āl Tūraṯ, 1392), 1/128

36 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج28، ص501

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 28/501

37 محمد بن علی الشوکانی، **نیل الاوطار** (قاھرہ: دار الحدیث، س ن)، ج6، ص234۔

Mūḥammad bin ʿAli, āl Šūwkāni, Nail āl Āwṭār (Cairo: Dār āl Ḥdith, nd), 6/234

38 محمد ابن مکرم افریقی، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، س ن)، مادہ، خطأ۔

Mūhammad bin Mkarram, āfriqi, Lisān āl ʿarab (Berūwt: Dār Sādir, nd), "Ḫ Ṭ ʾ"

[39] مسعود بن عمر تفتازانی، **شرح التلویح علی التوضیح** (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1996)، ج2، ص411۔

Masʿūwd bin ʿūmar, Taftāzāni, Šarḥ āl Talwiyḥ āl āl Tawḍiḥ (Berūwt: Dār āl Kitab ālʿalamiyyaẗ,1996), 2/411

[40] **الموسوعۃ الفقہیۃ**، بذیل مادہ: الخطا، ج۱۹، ص۱۳۰۔

āl Mūwsūwʿẗ āl Fiqhiyyaẗ, "Ḫ Ṭ ʾ", 19/130

[41] محمد بن احمد، قرطبی، **الجامع لأحکام القرآن** (دمشق: مکتبہ الغزالی، س ن)، ج۳، ص۴۳۱۔

Mūḥammad bin Āḥmad, Qūrṭūbi, āl Ğāmiʿ li Āḥkām āl Qūrān (Damašq: Maktabaẗ āl Ġazāli, nd), 3/431

[42] الأحزاب:۵

āl āĀḥzāb:5

[43] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب المناقب، باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام۔

Mūḥammad bin ismāʿil, Būẖāri, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ, Kitāb āl Manāqib, Bāb Nisbaẗ āl Yaman ilā ismāʿil

[44] احمد ابن علی ابن حجر، **فتح الباری** (لاہور: دار النشر، طبع اول، س ن)، ج۱۱، ص۵۵۱۔

Āḥmad ibn ʿAli, ibn e Ḥağar, Fatḥ āl Bāri (Lahore: dār āl Našar, nd), 11/551

[45] نساء:92،93

Nisāʾ: 92 ،93

[46] محمد بن یزید، ابن ماجہ، **السنن**، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ، حدیث 2045۔

Mūḥammad bin Yaziyd, ibn e Māğaẗ, āl Sūnan, Kitāb āl Talāq, Bāb āl Talāq āl Makrūwh, Hadith 2045

[47] عبد الرحمن بن احمد، ابن رجبؒ، **جامع العلوم والحکم** (بیروت: دار المعرفہ، ۱۴۰۸ھ)، ص۳۷۴، ۳۷۶۔

ʿAbd āl Raḥman bin Āḥmad, ibn e Rağab, Ğāmiʿ ālʿūlūwm wa āl Ḥūkam (Berūwt: Dār āl Maʿrifaẗ, 1408 A.H), 374,673

[48] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اجر الحاکم اذا اجتهد۔

Mūḥammad bin ismāʿil, Būẖāri, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ, Kitāb āl iʿtiṣām bil Kitāb wa āl Sūnnaẗ, Bāb Āğr āl Ḥākim iḏā iğtahada

[49] ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج۱۲، ص۱۸۰، ص۴۶۶، ۵۲۳، ۵۲۴۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 12/180, 466, 523, 524

[50] ابن منظور، **لسان العرب**، بذیل مادہ، کرہ۔

ibn e Manẓūwr, Lisān āl ʿarab, "K R H"

[51] ابو بکر بن مسعود کاسانی، **البدائع الصنائع** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1986ء)، ج7، ص170

Ābūw Bakr bin Masʿūwd, Kāsāny, Badiʿ āl Saniʿ (Berūwt: Dār āl Kitāb āl ʿArabi, 1982), 7/170

52 محمد بن سعد، **کتاب الطبقات الکبیر** (بیروت: دار صادر، س ن)، ج۳، ص۲۱۹

Mūḥammad bin Saʿd, āl Tabaqāt āl Kūbrā (Berūwt: Dār āl Sādir, nd), 3/219

53 احمد بن علی، جصاص، **احکام القرآن** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، طبع1405)، ج۳ص۱۱۸۰۔

Āḥmad bin ʿAli, Ğaṣāṣ, Āḥkām āl Qūrʾān (Berūwt: Dār Āḥyaʾ āl Tūraṯ,1405), 3/1180

54 احمد بن علی، ابن حجر، **فتح الباری** (لاہور: دار النشر، س ن)، ج12، ص314۔

Āḥmad ibn ʿAli, ibn e Ḥağar, Fatḥ āl Bāri (Lahore: dār āl Našar, nd), 12/314

55 محمد بن عبد اللہ، ابن العربی، **تفسیر احکام القرآن** (مصر: مطبعہ عیسی البابی الحلبی، س ن)، ج۳ص۱۱۷۸۔

Mūhammad bin ʿAbdūllah, ibn āl ʿArabi, Tafsir Āḥkām āl Qūrʾān (Egypt: Matbaʾah ʿisā āl Bābi āl Ḥalbi, nd), 3/1178

56 احمد بن علی، ابن حجر، **فتح الباری** (بیروت: دار صادر، س ن)، ج۱۲، ص۳۱۷۔

Āḥmad ibn ʿAli, ibn e Ḥağar, Fatḥ āl Bāri (Berūwt: Dār āl Sādir, nd), 12/317

57 اسماعیل ابن عمر ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم** (مدینہ: دار طیبہ، طبع1999)، ج4، ص606۔

ismāʿil bin ʿūmar, ibn e Kaṯir, Tafsir āl qūrʾān ālʿaẓiym (Madina: Dār Tayyibah, 1999), 4/606

58 محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر، ح۶۹۴۳۔

Mūḥammad bin ismāʿil, Būẖāri, āl Ğāmiʿ āl Ṣaḥiḥ, Kitāb āl ikrāh, Bāb man iẖtār āl ḍarb wāl Qatl wāl Hawān ʿAlā āl Kūfr, Hadith 6943

59 محمد بن یوسف، ابو حیان، **تفسیر البحر المحیط** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع2001)، ج2، ص443۔

Mūḥammad bin Yūwsūf, Ābūw Ḥayyān, āl Baḥr āl Mūḥiyṭ (Berūwt: Dār āl Kūtūb āl ʿalamiyyah, 2001), 2/443

60 احمد بن علی، ابن حجر، **فتح الباری**، ج۱۲، ص۳۱۲۔

Āḥmad ibn ʿAli, ibn e Ḥağar, Fatḥ āl Bāri,12/312

61 ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، بذیل مادہ، "فسر" و "أول"۔

ibn e Manẓūwr, Lisān āl ʿarab, "A W L"

62 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج۱۳، ص۲۷۰تا۳۱۳۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 13/270,313

63 محمد بن ابراہیم، **صنعانی** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، طبع۱۹۸۷)، ص377۔

Mūḥammad bin ibrāhim, āl Sūnʿāni (Berūwt: Dār āl Kūtūb āl ʿalamiyyah, 1987), 377

64 احمد بن علی، ابن حجر، **فتح الباری**، ج12، ص3۔

Āḥmad ibn ʿAli, ibn e Ḥağar, Fatḥ āl Bāri,12/3

65 **محمد امین بن عمر**، ابن عابدین، **رد المحتار** (بیروت: دار الفکر، 1992ء)، ج۴، ص ۲۲۴۔

Ibn e Āabdyn, Mūḥammad Āmin, Rad āl Mūḥtār (berwt: dār āl Fikr, 2000), 4/224

66 **محمد** بن ادریس الشافعی، **الام** (بیروت: دار المعرفہ، 1393)، ج٦، ص ۲۰۵۔

Mūḥammad bin idrees, āl Šāfʿi, āl ūm (Berūwt: Dār āl Maʿrifaẗ, 1393 A.H), 6/205

67 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاویٰ**، ج۲۰، ص ۲٦۳، ۲٦۸۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 20/263, 268

68 ابن قیم، **مدارج السالکین** (بیروت: دار الکتاب العربی، 1973ء)، ج۱، ص ۳٦۷۔

Mūḥammad bin Ābi Bakr, ibn e Qayyam, Madāriğ āl Sālikiyn (Berūwt: Dār āl Kitāb ālʿarbi, 1973), 1/367

69 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج۳، ص ۳۵۱۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 3/351

70 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج۷، ص ۵۰۷، ۵۰۸۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 7/507,508

71 احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، **منھاج السنۃ** (قاھرہ: مؤسسۃ قرطبہ، طبع اول، 1406)، ج۵، ص163۔

Āḥmad bin ʿAbdūl Ḥaleel, ibn e Taimiyyah, Minhāj āl Sūnnaẗ (Cairo: Mūwsisaẗ āl Qartabah, 1406), 5/163

72 احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، **منھاج السنۃ**، ج۵، ص ۲۴۱۔

Āḥmad bin ʿAbdūl Ḥaleel, ibn e Taimiyyah, Minhāj āl Sūnnaẗ , 5/163

73 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج۷، ص ۲۱۸۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 7/218

74 ابن تیمیہ، **مجموع الفتاویٰ**، ج۱۷، ص ۴۴۸۔

Ibn e Taymiyyaẗ, Mğmūwʿ āl Fatāwā, 17/448